میر تقی میر

ایک فارسی شاعر نے اپنے قطعے میں یہ مضمون ادا کیا کہ شاعری میں تین پیمبر گزرے ہیں: فردوسی، انوری اور سعدی۔ اصل قطعہ یہ ہے ـــــ

در شعر سہ کس پیمبرانند   ہر چند کہ لا نبیؐ بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را   فردوسی و انوری و سعدی

سننے والے نے پوچھا ـــــ "اور حافظ؟"

"وہ تو خدائے سخن تھا۔" شاعر نے برجستہ جواب دیا۔

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد میر کے ایک پرستار رقم طراز ہیں کہ جو رتبہ فارسی شاعری میں حافظ کا ہے بالکل وہی اردو شاعری میں میر کا ہے۔ بلاشبہ وہ اردو شاعری کے خدائے سخن ہیں۔ اس رائے کی تائید اس لطیفے سے بھی ہوتی ہے جو مولانا حالی نے ایک جگہ بیان کیا ہے۔ مفتی صدر الدین آزردہ کے مکان پر چند احباب جمع تھے۔ ان میں مومن و شیفتہ بھی تھے۔ اس محفل میں میر کا یہ شعر پڑھا گیا ـــــ

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے   دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

شعر کی بے انتہا تعریف ہوئی اور سب کو یہ خیال ہوا کہ اس قافیے کو ہر شخص اپنے سلیقے اور فکر کے موافق باندھ کر دکھائے۔ سب قلم دوات اور کاغذ لے کر الگ الگ بیٹھ گئے اور اس قافیے میں شعر کہنے کی کوشش کرنے لگے۔ اسی وقت ایک اور دوست تشریف لائے۔ یہ منظر دیکھ کر حیران ہوئے۔ پوچھا کیا ہو رہا ہے؟ جواب ملا قل ہو اللہ کا جواب لکھا جا رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس طرح کلام اللہ کا جواب لکھنا انسان کے بس کی بات نہیں اسی طرح کلام میر کا جواب بھی ممکن نہیں۔ اردو کے بڑے بڑے شاعروں نے میر کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ غالب فرماتے ہیں ـــــ

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA

ریختے کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

ایک اور شعر میں ارشاد ہوتا ہے ——

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

ذوق بھی کمالِ میر کے معترف ہیں ——

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

ہر بڑے فنکار کو اپنی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ میر بھی جا بجا اپنے کلام پر فخر کرتے نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں ——

ریختہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کرو
ریختہ رتبے کو پہنچایا ہوا اس کا ہے
معتقد کون نہیں میر کی استادی کا

جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

اگرچہ گوشہ نشیں ہوں میں شاعروں میں میر
پہ میرے شعر نے روئے زمیں تمام لیا

بلکہ یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ ——

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

اور اس میں شک نہیں کہ اپنے زمانے سے لے کر ہمارے زمانے تک اردو غزل کی دنیا پر میر ہی چھائے ہوئے ہیں۔ آئی۔ اے رچرڈز کا قول ہے کہ کوئی فن پارہ اپنی تخلیق کے سو سال بعد تک زندہ رہے تو یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ دو صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود میر کی غزل آج بھی تر و تازہ ہے بلکہ اس کی کشش میں کچھ اور اضافہ ہو گیا ہے۔ میر کی عظمت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ آیئے اب اس عظمت کا راز جاننے کی کوشش کریں۔

میر کی عظمت کا راز

میر کا کلام ان کی اپنی زندگی میں دور و نزدیک ہر طرف شہرت پا گیا تھا۔ اس کے بعد بھی ہر دور کے بڑے بڑے شاعر میر کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے۔ عہدِ حاضر کی زندگی جن حالات سے دوچار ہے

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA

اس میں میر کی آواز کچھ زیادہ ہی مانوس معلوم ہوتی ہے بلکہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی مقبولیت روزافزوں ہے۔ اس مقبولیت کے اسباب، جنھیں غزلِ میر کی خصوصیات کا نام بھی دیا جاسکتا ہے مندرجہ ذیل ہیں۔

۲ **فکر کا عنصر:—** یہ بات اکثر کہی گئی ہے کہ کلامِ میر میں فکر کا عنصر ناپید ہے اور ان کی شاعری صرف جذبات کی شاعری ہے۔ شاعری اور خاص طور پر غزل میں فلسفہ و پیغام کی گنجائش کم ہی ہے کیونکہ غزل کا آرٹ رمز و ایما یعنی اشارے کنایے کا آرٹ ہے اور اشاروں میں کسی فلسفے کا پیش کردینا آسان کام نہیں۔ اقبال جیسے شاعر کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں کہ انھوں نے غزل میں ایک پیچیدہ اور مربوط فلسفہ کامیابی کے ساتھ پیش کرکے دکھادیا۔

انسان کو خدا تعالیٰ نے دو اہم صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ غور و فکر بھی کرتا ہے اور محسوس بھی کرتا ہے۔ پہلی قوت کا نام ہے ادراک اور دوسری کا احساس۔ شاعری میں ان دونوں کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اعلادرجے کی شاعری میں فکر و ادراک اور جذبہ و احساس گھل مل کر ایک ہوجاتے ہیں۔ بڑا شاعر زندگی کی حقیقتوں پر غور کرتا ہے اور انھیں شعر میں پیش کرنے سے پہلے جذبہ و احساس کی شکل دے دیتا ہے۔ میر نے یہ فرض بڑی ہنرمندی سے ادا کیا۔ بے شک میر میں عقلی تجزیے کی ایسی صلاحیت نہ تھی جیسی مثلاً غالب میں ہے۔ لیکن یہ نہیں کہ وہ سوچتے نہ ہوں اور زندگی کی حقیقتوں پر غور نہ کرتے ہوں۔ مثلاً کسی شیشے کے کارخانے کو دیکھ کر انھیں محسوس ہوتا ہے کہ پھونک مارنے میں ذرا سی بے احتیاطی مصنوعات کی شکل بگاڑ دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھیں معاملاتِ دنیا کا خیال آتا ہے کہ یہاں بھی پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا ہے۔ ذرا غافل ہوئے اور کام بگڑا۔ کہتے ہیں ـــــ

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام ــــ آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

اسی غزل کے دو اور شعر ہیں جن سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ شاعر غور کرنے اور نتیجہ نکالنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ـــــ

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا ــــ کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت ــــ اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

میر کے کلیات میں اس کی اور مثالیں بھی مل جائیں گی مگر حقیقت یہ ہے کہ تفکر کی مثالیں ان کے یہاں کم ہیں۔ میر دراصل جذبات کے شاعر ہیں۔ کوئی خیال ان کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے تو وہ فوراً اسے شعر کے

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA

سانچے میں نہیں ڈھال دیتے۔ یہ خیال ان کے دماغ میں پکتا اور پگھلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ جذبہ و احساس کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور آخر کار تاثیر سے لبریز شعر کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ مثلاً وہ موت کی حقیقت پر غور کر کے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ موت زندگی کا اختتام نہیں بلکہ تھک کر ذرا دیر دم لینا ہے تاکہ مسافر تازہ دم ہو کر سفر جاری رکھ سکے ــــ

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے　　یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

یا یہ شعر ــــ

الٰہی کیسے ہوتے ہیں جنھیں ہے زندگی خواہش　　ہمیں تو شرم دامن گیر ہوتی ہے خدا ہوتے

موضوعِ سخن :ــ جو شاعر کسی مخصوص نظریے یا کسی خاص فلسفے کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں عام طور پر ان کی شاعری تازگی سے محروم ہو جاتی ہے اور اسے پڑھ کر ایک طرح کی تنگی کا احساس ہوتا ہے۔ میر کسی خاص نظریے کے شاعر نہیں اور وہ زندگی کو کسی مخصوص عینک سے نہیں دیکھتے۔ زندگی میں پیش آنے والا ہر چھوٹا بڑا تجربہ ان کے دل پر اثر کرتا ہے اور کسی شعر کی بنیاد بن جاتا ہے۔ اس طرح میر اپنی شاعری میں بہت سے تجربات پیش کرنے میں کامیاب ہیں اور ان میں بڑی تعداد ان تجربات کی ہے جو عشق و عاشقی سے متعلق ہیں۔ یہ واردات وہ ہے جو ہر دل پر کبھی نہ کبھی ضرور گزرتی ہے۔ اس لیے میر کی شاعری میں ہر دل کو اپنی کہانی سنائی دیتی ہے۔ میر اپنی آپ بیتی سناتے ہیں اور سننے والے کو وہ اپنی آپ بیتی معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے تو کہا گیا کہ میر نے آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دیا۔

میر کی زبان :ــ ورڈزورتھ شاعری کے لیے بول چال کی عام زبان کو پسند کرتا ہے میر نے اپنی شاعری میں یہی زبان استعمال کی ہے۔ میر کی اس خصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر نورالحسن نقوی رقم طراز ہیں :

"میر شعر نہیں کہتے، باتیں کرتے ہیں۔ وہ باتیں جو سننے والے کو ایسی لگیں جیسے پہلے سے اس کے دل میں موجود تھیں۔ انداز ایسا جیسے بے تکلف دوست اپنے دوست سے راز و نیاز میں محو ہو۔ لہجہ سرگوشی کا، زبان عام بول چال کی۔"

میر کے کلیات میں ان گنت ایسے شعر موجود ہیں جن پر بات چیت کا گمان ہوتا ہے۔ اور میر کو اپنی اس خصوصیت پر ناز ہے۔ کتنے فخر سے کہتے ہیں ــــ

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA

کتنے آنسو پلک تک آئے تھے
پاسِ ناموسِ عشق تھا ورنہ

غنائیت :۔ موسیقی یا ترنم شاعری کے لیے بے حد ضروری ہے۔ جس طرح اچھی نثر کی خوبی یہ ہے کہ اسے بلند آواز سے پڑھا جائے تو کانوں کو حظ یعنی لطف حاصل ہو اسی طرح اچھی شاعری اسے کہیں گے جسے گایا جاسکے۔ کولرج کے نزدیک نثر کی تعریف ہے 'الفاظ بہترین ترتیب کے ساتھ' اور شعر کی تعریف 'بہترین الفاظ بہترین ترتیب کے ساتھ'۔ شعر کے لیے شاعر پہلے تو بہترین لفظوں کا انتخاب کرتا ہے' پھر انھیں بہترین ترتیب کے ساتھ پیش کر دیتا ہے۔ میر کو لفظوں کے انتخاب اور ان کی ترتیب دونوں کا ہنر خوب آتا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ موسیقی کے فن میں ماہر ہیں۔ بہت غور و فکر کے بعد وہ لفظوں کا انتخاب کرتے ہیں اور انھیں اس طرح شعر میں بٹھاتے ہیں کہ دلکش ترنم پیدا ہو۔ کبھی کبھی لفظوں کی تکرار سے خوشگوار آہنگ پیدا کرتے ہیں۔

اشعارِ میر کی نغمگی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ اسما کم اور افعال زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ بعض شعروں میں ایک سے زیادہ نحوی اکائیاں ہیں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ افعال سے نغمگی پیدا ہوتی ہے اب دیکھیے اس کی مثالیں ــــ

کن نیندوں اب تو سوتی ہے / اے چشمِ گریہ ناک — مژگاں تو کھول / شہر کو سیلاب لے گیا
عشق ہمارے خیال پڑا ہے / خواب گیا / آرام گیا — دل کا جانا ٹھیر گیا ہے / صبح گیا / یا شام گیا

اس نغمگی کا دوسرا راز یہ ہے کہ میر کے کلام میں طویل معتوتوں کا استعمال زیادہ ہے اور تیسری بات یہ کہ فارسی عربی کی صفیری آوازوں کے ساتھ دیسی ہکار آوازوں کی آمیزش نے کلام میر کی موسیقیت میں اضافہ کیا ہے۔

غرض نغمگی و موسیقیت میر کی شاعری کا ایک امتیازی نشان ہے۔ اسے ان کی صناعی اور شاعرانہ مہارت ہی کہا جاسکتا ہے کہ بھدا اور ثقیل لفظ بھی ان کے ہاتھ میں پہنچ کر موم ہو جاتا ہے اور وہ جس طرح چاہتے ہیں اسے استعمال کرتے ہیں۔

فارسی تراکیب :۔ غالب کی فارسی ترکیبوں پر برابر اعتراض ہوتا رہا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ غالب نے متعدد تراکیب کلامِ میر سے لی ہیں۔ میر نے دو دو اور تین تین اضافتوں والی تراکیب استعمال کی ہیں مگر یہ شعروں میں اس طرح کھپ گئی ہیں کہ کسی کو ان کے وجود کا احساس تک نہیں ہوتا۔ دیکھیے۔

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA

ہنگامہ گرم کن جو دلِ ناصبور تھا　　پیدا ہر ایک نالے سے شورِ نشور تھا

کوئی ہو محرمِ شوخی ترا تو میں پوچھوں　　کہ بزمِ عیشِ جہاں کیا سمجھ کے برہم کی

ان شعروں میں ہنگامہ گرم کن، دلِ ناصبور، شورِ نشور، محرمِ شوخی، بزمِ عیشِ جہاں اور ان کے علاوہ دیگر اشعار میں نمونۂ یوم الحساب، خلوتیِ رازِ نہاں جیسی ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں۔ میر فارسی الفاظ و تراکیب کے پہلو بہ پہلو وسواس، بھیچک اور اسی طرح کے دوسرے ہندی الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں نہ فارسی الفاظ ناگوار ہوتے ہیں نہ ہندی الفاظ کیونکہ انھیں دونوں کے استعمال کا سلیقہ آتا ہے۔

پیکر تراشی :۔ لفظوں کے ذریعے تصویر بنانا یعنی پیکر تراشی کلام میر کا وصفِ خاص ہے۔ یہ ایک ایسا شعری وسیلہ ہے جس سے کوئی حالت یا کوئی منظر قاری کے پیشِ نظر ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے دیکھی ہوئی چیز سنی ہوئی چیز سے زیادہ دلکش و پُر اثر ہوتی ہے۔ میر اس راز سے بھی واقف ہیں اور فنِ پیکر تراشی سے متعلق ان کی معلومات بھی غیر معمولی ہیں۔ اس لیے میر کے کلام میں شعری پیکر ہر طرف بکھرے نظر آتے ہیں۔ یہاں دو ایک شعر مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں ——

چلتے ہو تو چمن کو چلیے، سنتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں، پھول کھلے ہیں، کم کم بادو باراں ہے

رات محفل میں تری ہم بھی کھڑے تھے چپکے　　جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ

استعارہ و تشبیہ :۔ پیکر سازی میں استعارہ اور تشبیہ بہت معاون ہوتے ہیں۔ شاعر اپنے محبوب کو چاند کہتا ہے تو چاند کی تصویر آنکھوں میں کھنچ جاتی ہے۔ میر کے یہاں تشبیہیں زیادہ اور استعارے کم ملتے ہیں کیونکہ تشبیہ سے وضاحت پیدا ہوتی ہے اور استعارے میں ایک طرح کا ابہام پایا جاتا ہے۔ میر تشبیہیں بھی ایسی انتخاب کرتے ہیں جن تک آسانی سے ذہن کی رسائی ہو جائے۔ دیکھیے اس کی چند مثالیں۔

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے　　دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

*

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

سوز و گداز :۔ میر نے ایک شعر میں اپنی قلبی تصویر ان لفظوں میں کھینچی ہے ——

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA

قامت خمیدہ، رنگ شکستہ، بدن نزار
تیرا تو میرؔ غم میں عجب حال ہو گیا

اور اس میں شک نہیں کہ غموں نے میر کو نڈھال کر دیا تھا۔ ہوش نہ سنبھال پائے تھے کہ باپ اور منہ بولے چچا نے داغِ مفارقت دیا۔ سوتیلے بھائی نے دشمنوں کا سا سلوک کیا۔ دلی پہنچ کے خان آرزو کے گھر پناہ لی۔ سوتیلے بھائی نے انھیں بھی ایسا دشمن بنا دیا کہ جان کے درپے ہو گئے۔ ان کا گھر چھوڑ کے دربدر آوارہ پھرے۔ آخر کار غموں کا ایسا نرغہ ہوا کہ ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ زندگی میں کئی بار ایسے موقعے آئے کہ ایک ایک کے دروازے پر دستک دی اور ایک ایک کے آگے ہاتھ پھیلایا مگر یہ آشفتہ حالی کا وہ زمانہ تھا کہ کوئی کسی کے کام نہ آ سکتا تھا۔ ہر جگہ سے ناکام لوٹے۔ تنگیِ معاش نے زندگی بھر عاجز رکھا۔ یہی حالات تھے جنھوں نے چڑچڑا اور بد مزاج بنا دیا تھا۔ مندرجہ ذیل بند اسی حالت کو ظاہر کرتا ہے ـــــ

حالت تو یہ کہ مجھ کو غموں سے نہیں فراغ
دل سوزشِ درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے، سارا جگر ہے داغ
ہے مجلسوں میں نام مرا میرِؔ بے دماغ
از بس کہ بد دماغی نے پایا ہے اشتہار

مجنوں گورکھپوری نے کہا ہے کہ غم و اندوہ کے شاعر سے سرور و انبساط کے شاعر کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔ اس مقولے کے درست ہونے میں شک نہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حزنیہ شاعری نشاطیہ شاعری سے زیادہ پر اثر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میر کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے غم کو آفاقی غم بنا کر پیش کیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ پڑھنے والے کو ان کا غم اپنا غم معلوم ہوتا ہے اور کلامِ میر کا دائرہ اثر بہت وسیع ہو جاتا ہے۔

میر کے غم کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ ہمیں پسپا نہیں کرتا، حوصلہ بڑھاتا ہے اور حالات کا مقابلہ کرنے کی طاقت عطا کرتا ہے۔ بقول سید عبداللہ میر اپنے شعروں میں غم کا اظہار تو جا بجا کرتے ہیں مگر ایسے کہ ہم اس کے تلے دب نہ جائیں وہ برابر ہمیں سہارا دیے رہتے ہیں۔ غم کے پہلو بہ پہلو وہ کسی نہ کسی خوشی کا ذکر بھی کرتے جاتے ہیں جس سے غم کی شدت کم ہو جاتی ہے اور وہ گوارا محسوس ہونے لگتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ـــ

ایک محروم چلے میرؔ ہمیں دنیا سے
ورنہ عالم نے زمانے کو دیا کیا کیا کچھ

REDMI NOTE 8
AI QUAD CAMERA

یارو ئے یا رُلایا، اپنی تو یوں ہی گزری　　کیا ذکر ہم صفیراں! یارانِ شادماں کا

میر کی سادگی، ان کا انداز بیان، ان کی دل گداختگی ان سب چیزوں نے کلام میر میں بے پناہ تاثیر
ہے اور ان کا وہ مصرع بے اختیار یاد آتا ہے جو انھوں نے اپنے بارے میں کہا تھا ـــــ

منہ تکیے غزل پڑھتے عجب سحر بیاں تھا

میر کی اس سحر بیانی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے بابائے اردو مولوی عبدالحق فرماتے ہیں ـــــ

"میر کے شعر چپکے چپکے خود بخود دل میں اتر کرتے چلے جاتے ہیں جس کی مثال اس نشتر کی سی ہے جس کی دھار نہایت باریک اور تیز ہے اور اس کا اثر اسی وقت معلوم ہوتا ہے جب وہ دل پہ جا کر کھٹکتا ہے۔ میر کا رتبہ انیس سے بلند ہے کہ انیس رُلاتے ہیں۔ میر خود روتا ہے۔ یہ آپ بیتی ہے اور وہ جگ بیتی۔"

❋ ❋ ❋